نوجوانوں کو نصیحت

حضرت آیت اللہ العظمی سید علی حسینی سیستانی

نوجوانوں کو نصیحت

کالج کے طلاب اور کچھ نوجوانوں کی جانب سے
رہنمائی کی گزارش پر عالم اسلام کے عظیم پیشوا

حضرت آیت اللہ العظمی سید علی
الحسینی السیستانی دام ظلہ

کا جواب اورمعاشرہ میں ان کے موثر
کردار اور ذمہ داریوں کے تعلق سے
آپ کی نہایت اہم نصیحتیں

ترجمہ
سید محبوب مہدی عابدی النجفی

I.M.A.M.
Imam Mahdi Association of Marjaeya

Imam Mahdi Association of Marjaeya, Dearborn,
MI 48124, www.imam-us.org
© 2017 by Imam Mahdi Association of Marjaeya
All rights reserved. Published 2017.
Printed in the United States of America

ISBN-13: 978-0-9982544-6-3

No part of this publication may be reproduced without permission from I.M.A.M., except in cases of fair use. Brief quotations, especially for propagating Islamic teachings, are allowed.

فہرست

مقدمہ v
- علما کی نصیحتوں کی اہمیت vi
- زیرِ نظر نصیحت نامہ کی اہمیت و خصوصیت x
- فقہا اور ذرائع ابلاغ xiii
- مراجع دین سے کیسے رابطہ رکھا جائے؟ xvii

نوجوانوں کا سوال 1

آیت اللہ سیستانی کا جواب 5

۱- اللہ اور آخرت پر صحیح اعتقاد رکھنا۔ 7

۲ - نیک اَخلاق سے آراستہ ہونا 9

۳ - کسی بھی جائز علم و فن میں پیشہ ورانہ مہارت حاصل کرنا اور اِس سلسلے میں
سخت محنت و مشقت اور جد وجہد سے کام لینا 10

فہرست

۴۔ نیک کردار و اخلاق کی پابندی اور برائیوں سے اجتناب 16

۵۔ بلا تاخیر شادی اور اولاد کے ذریعے خانوادے کی تشکیل کو اہمیت دینا 17

۶۔ کارِ خیر اور رفاہی کاموں میں حصّہ لینا 20

۷۔ جو شخص دوسروں کے کاموں کی ذمہ داری لے اسے بحسن و
خوبی انجام دے 22

۸۔ زندگی کے تمام احوال و مراحل میں علم و حکمت و معرفت میں اضافہ
کی کوشش 26

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی مدظلہ کی مختصر سوانح حیات 31

- ولادت اور خاندان 31
- آپ کی شخصیت 31
- تعلیمی سفر اور علمی کارنامے 33
- آپ کے مکتب فکر کی خصوصیات 35
- آپ کی مرجعیت 37
- مجاہدانہ مواقف 38

مقدمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالِمِين
وصَلّی اللهُ علی مُحمّدٍ وآلهِ الطاهرين

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دل سے نکلی ہوئی بات نہایت پر اثر ہوتی ہے۔ خاص طور پر اگر وہ بات کسی ایسی شخصیت سے صادر ہو، جو معلومات و تجربات کی روشنی میں زندگی کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہو اور جو اپنے فہم و تجربہ کا نچوڑ نہایت عمیق، معنی خیز اور سلیس لفظوں میں دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہو۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ بات محض افکار و خیالات و نظریات و تحلیلات پر مبنی نہ ہو بلکہ عمل سے مقرون ہو اور ذاتی تجربات کی روشنی میں بیان کی جارہی ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ بات ایسی شخصیت سے صادر ہو جو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نیابت جیسے عظیم الشان روحانی و مذہبی مقام و منصب پر فائز ہو۔ تو پھر سوچیں کہ وہ بات کتنی اہم اور مؤثر ہوگی۔

پیارے نوجوان قارئین!

زیر نظر تحریر ایک ایسی ہی بلند و بالا شخصیت کی زبان اور قلم سے نکلی ہوئی نصیحتوں کے کچھ قیمتی اور نایاب موتیوں کا مجموعہ ہے۔ ہماری مراد ہیں عالم اسلام کے عظیم

مرجع اور روحانی پیشوا حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید علی الحسینی السیستانی دام ظلہ العالی۔

علما کی نصیحتوں کی اہمیت

معاشرہ کے انتہائی اہم اور سنجیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ عوام مشہور و معروف شخصیات کے قول و فعل سے، خواہ مثبت ہو یا منفی بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ مختلف موقعوں پر کس طرح بڑی شخصیتوں کے نام اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تبلیغی اغراض و مقاصد کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مختلف افراد یا جماعتیں اپنی مصلحت کیلئے اور رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے کس طرح پروپگینڈے کے طور پر بڑے ناموں کا استعمال کرتی ہیں۔

یہ صورت حال اس وقت اور بھی نازک ہو جاتی ہے جب یہ اقوال و افعال صاحبان علم کی طرف سے صادر ہوں اور یہ تاثیر اور بھی شدید ہو جاتی ہے جب وہ صاحبان علم مذہبی علماء اور روحانی پیشوا ہوں کیونکہ ان سے مکمل طور پر اخلاص و غیر جانبداری کی توقع کی جاتی ہے اور ان سے یہ امید نہیں ہوتی کہ وہ کسی خارجی اثر و رسوخ کو قبول کر لیں گے۔

چنانچہ یہ نصیحت کی اہم ترین شرائط میں سے ہے کہ وہ خالصۃ لوجہ اللہ ہو اور ہر طرح کی مفاد پرستی، ذاتی مصلحت، شخصی میلانات اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو۔ مخلصانہ نصیحت وہ ہے جس کا کسی ذاتی ایجنڈے سے دور دور کا بھی تعلق نہ ہو۔ قرآن مجید نصیحت کی تاثیر اور پاکیزہ لفظوں کی ترسیل کے حوالے سے بڑی روشن مثالیں اور بڑے اعلیٰ ربّانی نمونے پیش کرتا ہے۔

حضرت نوح کے واقعہ میں انہیں کی زبانی ارشاد ہوتا ہے۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ

﴿اعراف / ۶۲﴾

میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

حضرت ہود کی زبانی ارشاد ہوتا ہے

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ

﴿اعراف / ٦٨﴾

(میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھارے لئے ایسا نصیحت کرنے والا ہوں جو امانتدار بھی ہے)

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام کے لئے اللہ نے ایسے مخلص و مومن افراد پیدا کئے ، جنھوں نے بعض موقعوں پر اپنی مخلصانہ اور مشفقانہ رائے سے ان کی مدد کی۔ جیسا کہ مومن آلِ فرعون کے واقعہ میں قرآن نبی اللہ موسیٰ کی حفاظت و مدد کے لئے ان کوششوں و کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ

﴿القصص / ٢٠﴾

(اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے موسٰی شہر کے بڑے لوگ مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیا جائے لٰہذا آپ نکل جائیں، میں آپ کا خیر خواہ ناصح ہوں)

اسی طرح حضرت خضر کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن انہیں پیغمبر خدا کے مدد گار، پشت پناہ، اور معلم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

پھر انبیاء کے بعد آئمہ اطہار علیہم السلام کے پاکیزہ اقوال و افعال میں یکے بعد دیگرے نصیحتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے جسے محدثین نے کثیر تعداد میں اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور پھر یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا ہے اور فقہاء کا دور شروع ہو جاتا ہے جنھیں ائمہ اطہار علیہم السلام نے اپنی نیابت میں مومنین کی قیادت ور ہنمائی کی ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکتب اہلبیت علیہم السلام کے فقہاء ہزار سال سے زیادہ کے اس عرصے میں یعنی غیبت امام (عج) سے لیکر آج تک پیروان اہلبیت (ع) کی رہنمائی و نصیحت کے بہترین فرائض انجام دیتے رہے ہیں تاکہ مومنین خداوند عالم کے سامنے اپنے فرائض و مسؤلیات کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں اور

دنیاوی زندگی کی نعمتوں سے بھی مستفید ہو سکیں اور آخرت کی زندگی میں بھی نجات اور کامیابی حاصل کر سکیں۔

زیرِ نظر نصیحت نامہ کی اہمیت و خصوصیت

آیت اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی (مد ظلہ) کا یہ نصیحت نامہ بھی مکتب اہلبیت (ع) کے اہم ترین نصیحت ناموں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ مذکورہ ذیل بعض خصوصیات کی بنا پر اسے امتیازی اہمیت حاصل ہے۔

۱) یہ نصیحت ایک ایسے عظیم الشان صاحب علم و حکمت عالم دین سے صادر ہوئی ہے جنکی عمر شریف اسّی سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ جنھوں نے اپنی پوری زندگی سیکڑوں موضوعات پر لکھی گئی بے شمار کتابوں کے مطالعہ میں گذاری اور زندگی کے حقائق کا خوب ادراک کیا اور اس سلسلے میں طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں، مختلف علاقوں کا سفر کیا اور ہر طرح کے افراد سے ملاقات کی۔ چنانچہ یہ نصیحت سالہا سال کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ اور سب سے بڑا تجربہ تو خود آپ کا اپنا خانوادہ ہے جسکی آپ نے بہترین پرورش فرمائی اور نہ صرف اولاد بلکہ اولاد کی اولاد بھی آپ کی اعلٰی تربیت کا بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ آج ماشاء اللہ ان میں سے ہر فرد ہر اعتبار سے امتیازی و استثنائی صلاحیتوں میں اپنی مثال آپ ہے۔ لہٰذا یہ ایک

ایسی نصیحت ہے جو کامیاب اور مستحکم تجربہ پر مبنی ہے ، جس کی پیروی ایک بہترین نمونہ عمل کے طور پر کی جاسکتی ہے۔ اور ایسا نہیں کہ صرف فلسفی افکار اور خیالات و تصورات یا ذہنی تانے بانے پر مبنی ہو، جیسا کہ بہت سی روایتی تحریروں، ادبی شہپاروں اور نظریاتی و تخیلاتی کتابوں کا حال ہے۔

۲) یہ نصیحت اعلیٰ ترین مذہبی شخصیت کی جانب سے صادر ہوئی ہے ۔ چنانچہ ایک مرجع اعلیٰ، فقیہ جامع الشرائط ہوتا ہے اور غیبت کبریٰ میں امام مہدی عجل اللہ الشریف کا نائب ہوتا ہے ۔اور امام، رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نائب ہوتا ہے۔ اور رسولؐ، اللہ کا نمائندہ۔ لہٰذا ایک نصیحت جب ایسی بلند و بالا مقام پر فائز شخصیت سے صادر ہو تو یقیناً وہ دوسرے افراد سے صادر ہونے والی نصیحت کے مقابلے میں کہیں زیادہ نتیجہ خیز اور پر اثر ہوگی، خواہ وہ افراد کتنی ہی اہم شخصیت و مقام کے حامل کیوں نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر ایسی شخصیت کی طرف سے آنے والی نصیحت دراصل محض ایک نصیحت ہی نہیں بلکہ ایک ایسا دستور حیات اور عملی پروگرام ہے، جس پر عمل کرنا ہر مومن نوجوان پر لازم و ضروری ہو جاتا ہے۔

۳) یہ ایک مکمل اور جامع نصیحت نامہ ہے جو ہر اُس موضوع کو شامل ہے جس کی ایک نوجوان کو اپنی زندگی میں ، خصوصاً نوجوانی کے آغاز میں کسی

بھی اعتبار سے ضرورت پڑسکتی ہے۔ نوجوانی کا مرحلہ دراصل تعمیر ذات ، تعمیر شخصیت ، تعمیر روح ، تعمیر کردار ، تعمیر فکر ، تعمیر خاندان ، تعمیر وطن اور تعمیر مستقبل کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ نصیحت نامہ ایسا کثیر الجہات ہے جس میں وہ تمام موضوعات شامل ہیں جسے ایک ترقی پسند اور کامیاب نوجوان کے لئے سنگ میل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

۴)مزید برآں سرکار آیۃ اللہ سیستانی مدظلہ نے سائنسی علوم میں مہارت اور جدید فنون میں نو آوری، دریافت، ایجاد اور ابتکار کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ نیز آپ نے خواتین کی اہمیت پر خاص طور سے تاکید فرمائی ہے جس سے آپ کے ارشادات میں خاندانی اور سماجی نظام کی تشکیل کی اہمیت مزید اجاگر ہو جاتی ہے۔

بلا شبہ دنیا و آخرت میں کامیابی اور ترقی و پیشروی کے آرزومند ہر نوجوان پر لازم ہے کہ وہ اس نصیحت نامہ کو نقطہ آغاز مان کر اپنی شاہراہ حیات کا سنگ میل قرار دے۔

نوجوانوں کی زندگی میں بعض ایسے لمحات بھی آجاتے ہیں جب وہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ مثلاً آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض نوجوان کچھ زیادہ ہی دینداری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں بلکہ بعض اوقات ضرورت سے زیادہ مذہب

پرستی کے باعث وہ دنیاوی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہوئے بالآخر سماج پر ایک بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے نوجوان بھی نظر آتے ہیں جو دین سے دوری میں افراط سے کام لیتے ہیں اور اس حد تک خالص دنیاوی غرائز و لذائذ میں ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں پھر زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ وہ محنت و مشقت کے ساتھ مال کو برائے مال جمع کرنے میں تگ و دو کرتے رہیں۔ نتیجۃً ان کے وجود کی اہمیت ایک مشین سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور اسی لئے کچھ دن کے بعد ایسے بعض افراد دماغی اختلال اور ڈپریشن کا شکار ہو کر خودکشی کی طرف بھی مائل ہوسکتے ہیں۔ اس نصیحت نامہ میں ہر پہلو کا خیال رکھا گیا ہے اور اگر نوجوان اس پر عمل کرلیں تو یقیناً یہ ان کی سعادت وخوشبختی کی ضمانت ہو گا۔

فقہا اور ذرائع ابلاغ

کبھی کبھار یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے، خصوصاً نوجوانوں کی طرف سے، کہ آیۃ اللہ سیستانی مدظلہ جیسے بزرگ مراجع دین، ٹی وی چینلز کے ذریعہ اور میڈیا کے توسط سے اپنے معتقدین اور مقلّدین کو خطاب کیوں نہیں کرتے۔ اور اس طرح براہ راست اپنی تعلیمات و ارشادات سے انہیں مستفید کیوں نہیں فرماتے؟ جبکہ اس کے بہترین نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ اور یہ عمل مرجعیت اور مقلّدین کے

درمیان روابط کو مزید مضبوط و مستحکم بنا سکتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عظیم نصیحت نامہ کو آڈیو ویڈیو کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے توسط سے براہ راست ان کی جانب سے نشر نہیں کیا گیا؟

جواب کے طور پر مندرجہ ذیل چند اہم نکات کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے۔

۱) دراصل یہ اعتراض اس لئے درست نہیں کہ یہ ایک غیر مناسب تقابل کا نتیجہ ہے۔ عموماً اس سوال کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ روزمرّہ کی زندگی میں عام سیاسی لیڈروں اور عہدہ داروں کو بار بار ٹی وی اسکرین پر دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ جبکہ ہمارے بزرگ علماء جو دینی و روحانی قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں میڈیا پر ظاہر نہیں ہوتے جب تک کوئی سخت ضرورت پیش نہ آجائے۔

۲) کسی ایک موقع پر یا کسی ایک معاملے میں میڈیا پر آنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر ہر موقع اور ہر معاملے میں اسی طرح میڈیا پر ظاہر ہونا پڑے گا۔ جبکہ ہمارے بزرگ علماء اور فقہاء اگر دوسرے عام سیاسی قائدین کی طرح آئے دن میڈیا پر ظاہر ہونے لگیں تو اس سے ان کی ہیبت و وقار میں کمی آئے گی اور مشاہدین کی طرف سے ان کے لئے اشتیاق واحترام کا جذبہ بھی کم ہوجائے گا۔

اسی لئے، اگرچہ ہمارے مراجع کرام معمولی مسائل کے حوالے سے آئے دن ذرائع ابلاغ کا سہارا نہیں لیتے مگر جب ضرورت پڑتی ہے تو ان کے صرف دو بول پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس راز کو سمجھا جائے اور اس حکمت عملی کا ادراک کیا جائے۔

۳) مستقل طور پر میڈیا پر ظاہر ہوتے رہنا ان حضرات کا کام ہے جو اداری، تنفیذی اور اجرائی امور کے مسؤول اور ایڈمنسٹریشن کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ روزمرّہ کے واقعات اور بدلتے حالات کے پیش نظر انہیں بار بار ذرائع ابلاغ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جبکہ علماء دین اور خاص طور پر بزرگ فقہاء بلکہ عمومی طور پر تمام ہی اہلِ علم و دانش اور اربابِ فن خواہ ان کا تعلق کسی مذہبی ادارہ سے ہو یا علمی و سائنسی انسٹیٹیوٹ سے، وہ کسی کالج اور یونیورسٹی سے منسلک ہوں یا کسی اور تعلیمی مرکز سے، شاذونادر ہی ٹی وی اسکرین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ حوزہ ہائے علمیہ کے بعض سربراہ نیز معروف یونیورسٹیز کے اکثر عمائدین و مدراء و پروفیسرز پوری زندگی ایک بار بھی میڈیا پر ظاہر نہیں ہوئے۔

۴) معاصر ذرائع ابلاغ کا طریقہ کار، خبروں کی ترسیل اور پیشکش کے طریقہ کار کے حوالے سے بڑا خطرناک ہو چکا ہے۔ صحافیوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس حد تک مقابلہ آرائی کا شکار ہیں کہ واقعات و حوادث کو نقل کرنے میں ایکدوسرے پر

سبقت لے جانے کی غرض سے جو طریقے اختیار کرتے ہیں وہ معاشرے کے ان حالات کو جو پہلے ہی سے بڑے نازک ہوتے ہیں مزید بگاڑ دیتے ہیں۔ نتیجۃً اس ماحول میں صادر ہونے والے بیانات سے حالات اتنے ابتر ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کی اصلاح بہت ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں وقت کی نزاکت شدید احتیاط کی متقاضی ہوتی ہے اور جس شخص پر قیادت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہوں خصوصاً وہ شخص جو قوم اور وطن کے تعلق سے انسانی اور شرعی امانتوں کا بار اٹھائے ہوئے ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ انتہائی احتیاط سے کام لے اور معاشرے کو حیرانی و پریشانی اور ضرر و نقصان سے بچالے۔ جب عام لیڈروں کی اتنی بڑی ذمہ داری ہے تو ان فقہاء کی ذمہ داری کتنی عظیم ہوگی جو دین اور دینداروں کے لئے انبیاء و مرسلین کی امانتوں کے امین ہیں۔

اتنا عرض کرنے کے بعد اب ہم ان مومنین کرام اور محبّین و مخلصین سے گذارش کرتے ہیں جو میڈیا کے ذریعے براہ راست مراجع کرام کی زیارت اور ان کے ارشادات کو سننے کے مشتاق و متمنّی ہیں کہ وہ ان خطرات سے آگاہ رہیں اور ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ہمارے قائدین کو ایسی احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ہمیں سمجھنا چاہئے کہ اس حکمت عملی میں دراصل مومنین ہی کی مصلحت ہے اور اس کا فائدہ سب سے پہلے انہیں کو پہنچنے والا ہے۔

مراجع عظام کی خدمت میں زائرین کرام کی حاضری اور ان کی زیارت و ملاقات کے سلسلے میں ان کے اپنے تجربات واحساسات شاہد ہیں کہ مراجع کرام کو عام مومنین سے مل کر اور ان سے براہ راست گفتگو کر کے کتنی خوشی و مسرّت ہوتی ہے، اسی طرح بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے محبوب قائدین سے مل کر خود زائرین کو جو خوشی و مسرت ہوتی ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان رہنماوں تک عام مومن کے پہنچنے میں کوئی شے حائل و مانع نہیں سوائے ان حالات کے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

مراجع دین سے کیسے رابطہ رکھا جائے؟

روحانی قیادت اور مومنین کے درمیان رابطے کی ضرورت وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک مرجع علمی و روحانی اعتبار سے اپنی پوری زندگی قوم کی خدمت میں وقف کر دیتا ہے اور اس کا ہدف اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی امانت کو بغیر کسی تحریف و تغیر کے عوام الناس تک پہنچادے تا کہ بندے اللہ کے حقیقی پیغام سے روشناس ہو سکیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک زندگی بڑی سادہ اور آسان تھی۔ آپؐ کے وصی برحق اور علوم و معارف

اہلبیت کے ممتاز عالم و معلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی بہت سادگی کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھ جاتے اور عوام النّاس بے جھجک ان کے ارشادات و نصائح سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ان خصوصی حلقہ ہائے درس کے علاوہ تھا جس میں صرف ارباب علم و تحقیق ہی شریک ہوتے تھے۔ لیکن دور حاضر میں زندگی ہر لحاظ سے پیچیدہ ہو چکی ہے۔ یہ پوری دنیا سائنسی ترقی اور مواصلاتی ٹیکنالوجی کے حیرت انگیز انقلاب کے باعث نیز مستفسرین اور رجوع کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے ایک چھوٹی سی عالمی بستی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ علوم و فنون کی باریکیاں اور ان کی تقسیمات و مشتقّات بھی ان اسباب میں شامل ہے۔ اس صورتحال نے حوزہ ہائے علمیہ کی فکری و تحقیقی ذمہ داریوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اجتماعی وسیاسی حالات کے طوفان اور سیکوریٹی کی ناگفتہ بہ کیفیت اور اس سے مربوط عمومی خطرات ایک دشوار گذار چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام حالات نے مراجع کرام کی ذمہ داریوں کو انتہائی مشکل اور دشوار بنا دیا ہے۔ جس کے باعث وہ ہر معاملے میں بڑی احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح وہ مجبوراً اُس سادہ زندگی سے محروم ہو گئے ہیں جو پیغمبر اسلام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے زمانہ کا طرّہ امتیاز رہی ہے۔

ان تمام مشکلات کے باوجود یہ مسئلہ کوئی ناقابل حل نہیں ہے۔ چنانچہ ان رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی مختلف طریقوں سے اور متعدد مواصلاتی ذرائع

سے قوم کا رابطہ اپنے بزرگ مراجع، علماء، فقہاء اور حوزہ ہائے علمیہ کی بزرگ شخصیات سے قائم وبرقرار ہے۔

جہاں تک قوم سے براہ راست خطاب کا تعلق ہے تو مراجع کرام جو بات قوم کو پہنچانا چاہتے ہیں وہ ان خطوط کے ذریعے پہنچادیتے ہیں جو ان کی مہر شریف سے مزّین ہوتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار بھی انہیں کی ہدایات کی روشنی میں طے ہوتا ہے۔ یا ان کا خصوصی دفتر کسی خاص موضوع پر اپنے ویب سائٹ کے ذریعے ان کا بیان نشر کردیتا ہے۔ یا پھر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے دفاتر سے جو ان کے معتبر وکلاء کی سرپرستی میں چل رہے ہیں ان کے پیغام اور بیانات شائع ہوجاتے ہیں۔ اِن وکلاء کو مرجع کی طرف سے ان کے نقطۂ نظر، افکار و آراء، فتاویٰ اور ارشادات وتعلیمات کو اپنی وکالت کی نوعیت اور حدود کے مطابق عوام تک پہنچانے کی صلاحیت واجازت حاصل ہے۔

اور جہاں تک ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کی خواہش کا تعلق ہے تو وہ بھی آسانی سے پوری ہوجاتی ہے۔ کیونکہ مراجع کرام انتہائی تنگیِ وقت اور مصروفیت کے باوجود اور دنیا بھر کے بڑے مسائل و معاملات میں مشغول رہتے ہوئے بھی روزانہ ساری دنیا سے آئے ہوئے مومنین سے ملاقات کا وقت نکالتے ہیں، ایک صبح کے وقت اور ایک شام کے وقت۔

اب ہم مومنین کو بالخصوص نوجوانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اسکولوں کی تعطیل کے زمانے میں سفر زیارات کا پروگرام بنائیں تاکہ وہ آئمّہ اطہار علیہم السلام کے مزارات مقدسہ کی زیارت سے مشرّف ہو سکیں اور مراجع کرام، فقہائے عظام اور حوزہ ہائے علمیہ کے اساتذہ سے ملاقات بھی کر سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ دیگر تاریخی آثار و مقامات کو بھی دیکھ سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ انہیں اپنی تہذیب، تاریخ اور اس مذہبی ورثے سے مربوط ومنسلک رہنے میں مدد ملے گی جس کا سلسلہ ہزاروں سال کی تاریخ پر پھیلا ہوا ہے۔

نوجوانوں کا سوال

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم کچھ نوجوان طالبعلم (اسٹوڈنٹس) اور سماجی کارکن (سوشل ورکرز) ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ ہمیں کچھ ایسی نصیحتیں فرمائیں جو دورِ حاضر میں ہمارے کام آسکیں اور جن سے یہ واضح ہو جائے کہ اِس زمانہ میں جوانوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور وہ اپنی یہ ذمہ داریاں کس طرح پوری کرسکتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی کچھ اور نصیحتوں سے مستفید فرمائیں جو آپ کی نظر میں ہمارے لئے مفید ہوں۔

طالبعلم اور سماجی کارکنوں کی ایک جماعت

آیت اللہ سیستانی کا جواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالِمِين
وصَلّى اللهُ على مُحمّدٍ وآلهِ الطاهرين

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جوانانِ عزیز، جن کے معاملات میرے لئے اسی طرح اَہمیت رکھتے ہیں جیسے خود میرے اَپنے اور اَپنے بچوں کے معاملات، میں آپ کو آٹھ باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ وہ نصیحتیں ہیں جن میں دنیا وآخرت کی مکمل سعادت وخوش بختی کا راز مضمر ہے۔ اور جو بندوں کے لئے اللہ کے پیغام اور حکماء وصالحین کے مواعظ کا خلاصہ اور خود میری اپنی زندگی کے تجربات ومعلومات کا ماحصل ہیں۔

۱- اللہ اور آخرت پر صحیح اعتقاد رکھنا۔

اِن اِعتقاداتِ حقّہ کے سلسلہ میں کوئی شخص کسی طرح کوتاہی نہ کرے، جب کہ واضح دلائل اور محکم براہین کے ذریعہ اِن کی حقانیت ثابت ہوچکی ہے۔ اِنسان غور وفکر سے کام لے تو اِس بات کا اِعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اِس کائنات کی ہر شئے ایسی بے نظیر ہے جو خالق کی عظمت اور صانع کی قدرت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ یہ وہ

حقیقت ہے جس کی یاد دہانی کے لئے اللہ نے ہر دور میں پیغمبروں کے ذریعے اَپنے بندوں کو پیغام بھیجے جن میں واضح کیا کہ یہ زندگی دراصل بندوں کے لئے ایک اِمتحان گاہ کے سِوا کچھ نہیں جس میں پتہ چلتا ہے کہ زیادہ نیکو کار کون ہے۔ چنانچہ جس شخص سے اللہ کا وجود اور آخرت کی حقیقت پوشیدہ رہ جائے اور جو اِن حقائق پر اِیمان نہ رکھے وہ دراصل زندگی کے حقیقی مفہوم اور اِس کے آفاق و نتائج سے غافل و ناآشنا رہا اور اِس کے لئے زندگی کے راستے تاریک ہو گئے۔

لٰہذا آپ میں سے ہر ایک پر لازم و واجب ہے کہ اَپنے عقیدے کی حفاظت کرے اور اسے اَپنی زندگی کا سب سے اہم سرمایہ سمجھے بلکہ یہ کوشش کرے کہ اس کے اِیمان و یقین و اِعتماد میں روز اَفزوں اِضافہ ہوتا رہے یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے اِس طرح جلوہ گر ہو جائے کہ نگاہِ بصیرت سے دیکھنے کے قابل بن جائے۔ ممکن ہے کوئی شخص عنفوانِ شباب میں اَپنے نفس میں دینی امور کے تعلق سے کوئی کمزوری محسوس کرے، مثلاً واجبات کی اَدائیگی میں سستی سے کام لیتا ہو یا دنیوی لذتوں کی طرف راغب ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ پروردگارِ عالم سے خود کو بالکل ہی منقطع نہ کرلے ورنہ پھر اس کی طرف پلٹ کر آنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھے کہ طاقت و قوت اور صحت و عافیت کے زمانہ میں اپنی جسمانی قوت و صحت پر ناز کرتے ہوئے اگر کوئی شخص اَحکامِ اِلٰہی سے منہ موڑتا بھی ہے تو ضعیفی و ناتوانی کے دور میں اللہ کی طرف پلٹ کر آنے کے سِوا اس کے پاس کوئی اور چارہ

نہیں رہ جائے گا۔ لہٰذا نوجوانی کے آغاز ہی سے جو درحقیقت بڑا ہی مختصر و محدود وقت ہوتا ہے آنے والے اس مرحلہ کی فکر کرے جو کمزوری وناتوانی اور بیماری وضعیفی کازمانہ ہوتا ہے۔

ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ایسے شکوک و شبہات میں الجھ کر رہ جائے جن کا حل تلاش کرنے کے لئے اس نے صبر سے کام نہ لیا ہو، یا ناپختہ اَفکار پر اِعتماد کر کے، یا زندگی کی لذتوں اور ظاہری زرق وبرق سے متاثر ہوکر، یا دین کو ذاتی مفادات کے لئے اِستعمال کرنے والے بعض خود غرض اَفراد کو دیکھ کر وہ ان باتوں کو اَپنے غلط کردار ورفتار کے لئے جواز بنالے۔ کیونکہ حق اَفراد سے نہیں بلکہ اَفراد حق کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں۔

۲ – نیک اَخلاق سے آراستہ ہونا

بلا شبہ نیک اَخلاق اَیسی صفت ہے جو بہت سی فضیلتوں کو اَپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جیسے حکمت، تدبّر، تدبیر، مروّت، تواضع، بردباری اور صبر وغیرہ۔ اَخلاق کا شمار دنیا وآخرت کی سعادت وخوش بختی کے اَہم ترین اَسباب میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا اَخلاق جتنا بہتر ہوگا وہ اللہ سے اتنا ہی قریب تر ہوگا۔ اور جس دن اَعمال کا پلہ سبک ہوگا اس کے اَعمال کا پلہ بھاری ہوگا۔ لہٰذا آپ میں سے ہر ایک کا اَخلاق اَپنے والدین، اَہل وعیال، اَولاد، رشتہ دار،

دوست، اَحباب اور دیگر تمام لوگوں کے ساتھ بہتر سے بہتر ہونا چاہیئے اور اگر اِس سلسلے میں اَپنے نفس میں کوتاہی محسوس کرے تو لاپرواہی نہ کرے بلکہ اَپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور دانشمندی کے ساتھ اُسے اَپنی حقیقی منزل کی طرف لے کر چلتا رہے۔ اور اگر پھر بھی نفس سرکشی کرے تو نا امید نہ ہو بلکہ خود کو نیک اَخلاق سے مزّین کرنے کی جدوجہد جاری رکھے ۔کیونکہ "جو شخص خود کو کسی قوم کے مزاج میں ڈھالنے کی کوشش کرے وہ انھیں میں شمار ہوتا ہے" اِسی لئے نیک اَخلاق سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنے والے کا اَجر اللہ کی نظر میں اس شخص سے زیادہ ہے جو فطری طور ہی پر نیک مزاج ہو۔

۳ - کسی بھی جائز علم و فن میں پیشہ ورانہ مہارت حاصل کرنا اور اِس سلسلے میں سخت محنت ومشقت اور جدوجہد سے کام لینا

کیونکہ اِس میں بہت سی برکتیں ہیں اور اِس میں اِنسان کے لئے وقت گذارنے کا مناسب ذریعہ بھی ہے، اور اہل وعیال کے لئے روزی کمانے کا وسیلہ بھی۔ اِس طرح وہ اَپنے سماج کو فائدہ بھی پہنچا سکے گا اور کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ بھی لے سکے گا۔ نیز اسے ایسے تجربات حاصل ہوں گے جو اس کی عقل و فکر اور مہارت کو نکھارنے میں صیقل کا کام کریں گے اور اس کا مال بھی پاک

ہو جائے گا کیونکہ روزی کمانے میں زَحمت و مشقت جتنی زیادہ ہو گی کمائی اُتنی ہی پاک اور پر برکت ہو گی۔

پروردگارِ عالم اس محنتی اِنسان کو دوست رَکھتا ہے جو حلال روزی کمانے کے لئے خود کو زَحمت و مشقت میں ڈالے۔ جبکہ اَیسے ناکارہ اور بے سود اِنسان کو ناپسند فرماتا ہے جو دوسروں پر بوجھ بن جائے، یا جو اَپنا قیمتی وقت لہو ولعب میں ضائع کردے۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ آپ میں سے کسی کی نوجوانی کا زمانہ کسی بھی علم و فن میں مہارت حاصل کیئے بغیر ہی گذر جائے۔ کیونکہ اللہ نے جوانوں کو بڑی جسمانی اور روحانی طاقتیں عطا فرمائی ہیں تاکہ اِنسان اِس کے ذریعے اَپنی زِندگی کا حقیقی سرمایہ مہیا کرسکے۔ لہٰذا اِس جوانی کو لہو ولعب اور غفلت میں ضائع نہ کردیں۔

آپ میں سے ہر ایک کو اَپنے علم و فن اور پیشے پر اتنی توجہ دینی چاہیئے کہ وہ اس میں پوری مہارت حاصل کرلے۔ بغیر علم کوئی بات نہ کہے اور بغیر مہارت کوئی کام اَنجام نہ دے بلکہ جو کام نہ کرسکے یا جس بات کا علم نہ رکھتا ہو اس کے تعلق سے بلا تکلف معذرت کرلے اور کسی اَیسے شخص کی طرف رجوع کا مشورہ دے جو اُس سے زیادہ اِس کام میں ماہر ہو اور اس مسئلہ کا اُس سے زیادہ علم رکھتا ہو ۔ کیونکہ ایسا کرنا اس کے حق میں بہتر ہے اور دوسروں کا اِعتماد و وثوق حاصل کرنے میں مفید بھی۔ اِنسان کو چاہیئے کہ ہر کام پورے اِہتمام وہمت اور شوق و توجہ سے اَنجام دے اور صرف مال

و دولت ہی کو اَپنا ہدف و مقصد قرار نہ دے، بالخصوص مالِ حرام کو، اِس لئے کہ حرام میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ اور جو شخص حرام طریقوں سے مال جمع کرتا ہے وہ اِس بات سے خود کو محفوظ و مامون نہ سمجھ لے کہ اللہ اسے اَیسی مشکل میں مبتلا کر سکتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اسی مال کو مزید زَحمت و پریشانی کے ساتھ خرچ کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ اَیسا مال دنیا میں اِنسان کو بے نیاز تو نہیں کرتا، ہاں آخرت میں اس کے لئے وبالِ جان ضرور بن جاتا ہے۔

آپ میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اَپنے اور دوسروں کے درمیان اَپنی ذات کو میزان قرار دے، اِس طرح کہ دوسروں کے لئے بھی ویسے ہی کام کرے جیسے خود اَپنے لئے کرتا ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے لئے کوئی کام اَنجام دیں۔ دوسروں کے ساتھ اسی طرح اِحسان اور نیکی کرے جیسے وہ چاہتا ہے کہ خدا اس پر اِحسان و کرم فرمائے۔

اَپنے پیشہ کی اَخلاقی قدروں کا پورا خیال رکھے، اور ان امور کا بھی جو اِس سلسلہ میں مناسب اور شائستہ ہیں۔ اور ایسے پست طریقے نہ اَپنائے جن کے آشکار ہونے پر اسے شرمندہ ہونا پڑے۔ اور اِس بات کا دھیان رکھے کہ کوئی بھی کام کرنے والا خواہ ایک عام ورکر ہو یا اِسپیشلسٹ جس کے لئے وہ کام کرتا ہے اُس کی طرف سے وہ اس کام پر اَمین ہے۔ لہذا اسے چاہیئے کہ اس کا خیر خواہ رہے اور اِس بات کا پورا

خیال رکھے کہ اَنجانے میں بھی اس امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔ پروردگار عالم اس کے کاموں پر حقیقی ناظر ونگراں ہے جو دیر یا سویر اس سے پورا پورا بدلہ اور حساب لینے والا ہے۔ بے شک خیانت اور فریب اللہ کے نزدیک بدترین اَعمال میں سے ہیں اور نتائج کے لحاظ سے بدترین اَفعال میں سے۔

تمام اہلِ علم وفن میں ڈاکٹر حضرات ان نصیحتوں پر بطور خاص توجہ فرمائیں کیونکہ ان کے پیشہ کا تعلق صرف اِنسان کے جسم ہی سے نہیں بلکہ اس کی جان سے بھی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ پوری اِحتیاط سے کام لیں اور جن باتوں کا ذکر کیا گیا ان کی مخالفت سے ڈریں ورنہ خیانت کا یہ عمل، عاقبت کی بربادی کا سبب بنے گا جبکہ آخرت صاحبانِ نظر کے لئے دور نہیں۔

سورۃ مطفّفین میں پروردگارِ عالم کا ارشادِ گرامی ہے

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ (1)

الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (2)

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (3)

أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ (4)

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (5)

تباہی ہے کم تولنے والوں کے لئے۔ (1)

جو لوگوں سے ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ (2)

مگر جب ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔(3)

کیا انھیں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ (4)

ایک ایسے دن جو بڑا عظیم ہے(5)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ

إِنّ اللَّهَ تَعَالی يُحِبّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلاً أَنْ يُتْقِنَهُ

پروردگارِ عالم یہ پسند فرماتا ہے کہ تم سے کوئی شخص جب کوئی کام انجام دے تو اسے اچھی طرح پایہ تکمیل تک پہچائے۔

کالج اور یونیورسٹی کے طلاب اور پروفیسرز کو چاہیئے کہ وہ اپنی مہارت (اسپیشلائزیشن) کی فیلڈ میں دیگر معیاری علمی و سائنسی مراکز کی جدید ترین تحقیقات اور انکشافات سے باخبر رہیں بالخصوص علمِ طب (میڈیکل سائنس) کے شعبہ میں، تاکہ ان کا علم اور علاج عصرِ حاضر کی سطح اور معیار کے مطابق ہو، بلکہ انہیں چاہیئے کہ وہ معیاری سائنسی مقالات کے ذریعے اور

جدید انکشافات کے توسط سے سائنس کی ترقی و پیشرفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ بلکہ جو بھی اسباب ووسائل اورامکانات مہیا ہیں ان ہی کے ذریعہ کمپیٹشن میں دوسرے سائنسی مراکز سے آگے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ علم حاصل کرنے میں صرف دوسروں کے شاگرد رہنے اور دوسروں کی بنائی ہوئی چیزوں، اور ایجاد کئے ہوئے آلات و وسائل سے استفادہ کرنے پر ہی اکتفا کرلیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ خود بھی آگے بڑھیں اور اپنی طرف سے نئی ریسرچ، ایجادات، تحقیقات، انکشافات اور مصنوعات پیش کر کے سائنس اور ٹیکنولوجی کی ترقی و پیشروی میں بھرپور حصہ لیں، جس طرح ان کے آباء واجداد ماضی میں علوم وفنون کے ہر میدان میں پیشگام و پیشرو رہے ہیں۔ کیونکہ علم کے میدان میں کوئی بھی قوم دوسری قوم پر برتری نہیں رکھتی۔ اور علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔

ان بچوں اور نوجوانوں کا خاص طور پر خیال رکھیں جو امتیازی صلاحیت اور غیر معمولی ذہانت کے حامل ہوں، اور اگر ایسے بچے غریب ونادار طبقہ میں پائے جائیں، تو ان کی اسی طرح مدد وحمایت کی جائے جیسے خود اپنے بچوں کی کی جاتی ہے، تاکہ وہ بھی نفع بخش علوم کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوسکیں۔ اس طرح آپ کو بھی ان کاوشوں اور خدمتوں کا وہی صلہ اور اجر وثواب ملے گا جو ان کو ملنے والا ہے۔ مزید برآں آپ کے سماج کو اور آنے والی نسلوں کو بھی اس عمل کا مسلسل فائدہ پہنچتا رہے گا۔

۴ ۔ نیک کردار واخلاق کی پابندی اور برائیوں سے اجتناب

دنیا میں کوئی خیر و سعادت ایسی نہیں جس کی بنیاد فضیلت نہ ہو اور کوئی بدی و شقاوت ایسی نہیں جس کا سر چشمہ برائی نہ ہو۔ علاوہ ان مخصوص حالات کے جن میں اللہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِير

﴿ شوری / 30 ﴾

کوئی مصیبت جو تم پر آتی ہے ایسی نہیں جو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی نہ ہو اور اللہ بہت سی باتوں سے در گذر فرماتا ہے۔

بعض ناپسندیدہ صفات حسبِ ذیل ہیں۔

تعصب، فوری وجذباتی ردِّ عمل، ناشایستہ تفریح، لوگوں کے سامنے خود نمائی، رزق میں وسعت ہو تو اسراف سے کام لینا، تنگدستی ہو تو حدوں سے تجاوز کر جانا، مصیبتوں میں بدمزاجی کا مظاہرہ ، دوسروں کی توہین خاص طور پر کمزوروں کی، مال کو ضائع کرنا، کفرانِ نعمت، گناہ پر فخر و اصرار، ظلم وزیادتی میں تعاون، اور جو کام نہ کیا ہو اس پر اپنی مدح وستائش سننے کا شوق۔

اور میں لڑکیوں کو خاص طور پاکدامنی کی پر تاکید کرتا ہوں کیونکہ عورت کو اپنی فطری لطافت کے باعث عفت وپاکدامنی کے معاملے میں بے احتیاطی کے نقصانات اور تکلیف دہ نتائج کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ جھوٹے جذبات واحساسات کے دھوکے میں نہ آجائیں، اور ایسے وقتی تعلقات کے جال میں نہ پھنس جائیں جس کی لذّت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے مگر اس کے ناگوار اثرات ہمیشہ کے لئے باقی رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا لڑکیوں کو چاہیئے کہ اپنی مستقل اور پائیدار زندگی کے علاوہ جو ان کی سعادت وخوشبختی کا باعث ہے کوئی اور بات دماغ میں نہ لائیں۔ کتنی باوقار ہے وہ خاتون جو رفتار وگفتار اور مظہر ومنظر میں اپنی قدروقیمت اور اہمیت ومتانت کی حفاظت کرتی ہے۔ اور بس صرف اپنی زندگی کے اہم اُمور، ضروری کام کاج اور تعلیم وتدریس ہی میں مصروف رہتی ہے۔

۵۔ بلاتاخیر شادی اور اولاد کے ذریعے خانوادہ کی تشکیل کو اہمیت دینا

تشکیلِ "خانوادہ" وہ عمل ہے جو انسان کی زندگی کو انس ومحبت اور لطف ولذّت سے پر کردیتا ہے۔ اور اسے دل لگا کر اپنے کام کاج مکمل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے جس کے بعد انسان کو ایک باوقار اور احساسِ ذمہ داری سے بھرپور زندگی گذارنے اور ضرورت کے دنوں کے لئے اپنی طاقت وصلاحیت کی بھرپور سرمایہ کاری کا موقع ملتا ہے۔ اس کے علاوہ خانوادہ کی تشکیل کا یہ عمل انسان کو بہت سے ممنوع ومعیوب

امور سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ شریف میں وارد ہوا ہے کہ

"من تزوّج فقد أحرز نصف دينه"

- یعنی جو شخص شادی کرلے اس نے گویا اپنا آدھا دین برباد ہونے سے بچالیا۔

شادی دراصل ایک سنت ہے۔ سنتِ مؤکدہ۔ بلکہ یہ ایک فطری تقاضہ ہے جو انسانی سرشت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اس سنت سے روگردانی کرے اور مشکلات میں مبتلا یا سستی و کاہلی کا شکار نہ ہو۔ اور کسی شخص کو شادی کے معاملے میں فقر و تنگدستی سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں رزق کے وہ اسباب مہیا کئے ہیں جس کا انسان شروع میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ انتخابِ ہمسر میں اخلاق، دینداری اور تربیت و پرورش کی صلاحیتوں پر توجہ دی جائے اور ظاہری شکل وصورت اور حسن وجمال یا مال و دولت کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں ایک فریب سے بڑھ کر کچھ نہیں، جنکی حقیقت اس وقت بہت جلد کھل کر سامنے آجاتی ہے جب زندگی کے نشیب و فراز اور امتحانات سے گذرنے کا وقت آتا ہے۔ حدیث میں کسی لڑکی سے محض اس کے حسن و جمال کے لئے شادی کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ جان لینا چاہیئے کہ جو شخص کسی لڑکی سے اس کے دین اور اخلاق کی وجہ سے شادی کرلے اللہ اس میں بڑی برکتیں عطا فرماتا ہے۔ دوسری طرف لڑکیوں کو اور

ان کے سرپرستوں کی بھی چاہیئے کہ وہ خانودہ کی تشکیل پر مال و دولت یا ملازمت و نوکری کو ترجیح نہ دیں۔ کیونکہ شادی زندگی کی اہم ترین سنتوں میں سے ایک ہے جب کہ نوکری کی حیثیت اضافی اور ضمنی لوازمات سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ لٰہذا یہ عقلمندی نہیں کہ اس سنتِ مؤکدہ کو ضمنی امور کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ جو شخص آغازِ جوانی میں اس حقیقت سے غافل رہتا ہے وہ جلد ہی پشیمان ہو جاتا ہے، مگر اس وقت یہ پشیمانی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی ۔اور زندگی کے تجربات اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کے سرپرستوں کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ انہیں بلاوجہ شادی سے روکیں یا ان سماجی رسوم کی بنا پر جنھیں اللہ نے واجب و لازم نہیں فرمایا شادی میں رکاوٹ ڈالیں۔ مثلاً مہر کا معاملہ یا قریبی عزیز ہونے کی شرط یا کسی سید کا انتظار وغیرہ۔ کیونکہ اس بات میں ایسے مفاسد و نقصانات پوشیدہ ہیں جن سے وہ بے خبر ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ نے باپ دادا کی سرپرستی اور ولایت لڑکیوں پر اس لئے رکھی ہے تا کہ وہ ان کے خیر خواہ ہوں اور ان کی مصلحت کو پیشِ نظر رکھیں، لٰہذا جو شخص کسی لڑکی کی شادی میں بغیر اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے رکاوٹ ڈالے وہ دائمی گناہ کا مرتکب ہو گا، اور جب تک وہ لڑکی اس کے نتائج کو بھگتتی رہے گی اس کا گناہ اسی شخص کے ذمہ رہے گا اور یوں وہ اپنے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول لے گا۔

۶۔ کارِ خیر اور رفاہی کاموں میں حصّہ لینا

مخصوصاً وہ امور جن کا تعلق یتیموں، بیواؤں اور محروموں سے ہے۔ یہ وہ کارہائے خیر ہیں جو ایمان میں اضافہ کا سبب اور نفس کی تہذیب وطہارت کا باعث ہیں، نیز یہ ان نعمتوں کی زکات ہیں جو انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ یہ وہ کام ہیں جن سے فضیلت کی بنیاد پڑتی ہے، نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون ہوتا ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بغیر زبان ہلائے ادا ہو جاتا ہے، نظامِ عمومی کی حفاظت میں حکومت کی مدد ہوتی ہے، عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ان کی خدمت کا عمل انجام پذیر ہوتا ہے، اور یوں بطور کلی معاشرہ ترقی و پیشروی اور بہتر سے بہتر تبدیلی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ اعمال دراصل دنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں ذخیرہ واجر کا باعث ہیں۔ پروردگارِ عالم ایسے معاشرے کو دوست رکھتا ہے جس کے افراد اتحاد و یکجہتی اور ہمدردی و تعاون کے ساتھ ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ اپنے برادرانِ دینی، برادرانِ وطن اور عمومی طور پر تمام انسانوں کے مسائل کو اہمیت دیں اور دوسروں کے لئے وہی چاہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ ﴿ أعراف / 96﴾

اگر بستی کے افراد ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم یقیناً ان کے لئے آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے برادر ایمانی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

نیز آپؐ نے فرمایا

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا

جو شخص کسی نیک رسم ورواج اور ریت وروایت کی بنیاد ڈالے اسے اس عمل کا بھی اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر بھی۔

۷- جو شخص دوسروں کے کاموں کی ذمہ داری لے اسے بحسن و خوبی انجام دے

وہ لوگ جو دوسروں کے کاموں کی ذمہ داری قبول کریں انھیں چاہیئے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دیں، خواہ ان امور کا تعلق گھریلو مسائل سے ہو یا سماجی معاملات سے۔ چنانچہ باپ پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کا اور شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کا اچھی طرح خیال رکھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے تشدد اور سنگدلی سے پرہیز کریں۔ اور نہ صرف عام حالات میں بلکہ ایسے مواقع پر بھی یہی رویہ اختیار کریں جہاں سختی سے پیش آنا ضروری ہو جائے۔ کیونکہ کسی معاملے میں سخت موقف اختیار کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ جسمانی تشدّد یا نازیبا الفاظ کا سہارا لیا جائے بلکہ تادیب و تربیت کے اور بھی مناسب طریقے ہیں جو تحقیق و جستجو سے اور تجربہ کار و دانشمند افراد کے مشورے سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ بے جا سختی و تشدّد کے نتائج اکثر برعکس ہی ہوتے ہیں اور جس برائی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے وہ اور بھی زیادہ جڑ پکڑ لیتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح جس شخص کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اصلاح تو نہیں ہوتی البتہ اس کی شخصیت مجروح و پامال ضرور ہو جاتی ہے اور اگر

وقتی طور پر اصلاح ہو بھی جائے تو یہ سوچنا چاہیئے کہ بھلا ایسی اصلاح سے کیا فائدہ جس کے لئے ظلم کرنا پڑے، یا برائی کا علاج برائی سے کیا جائے۔

جو شخص معاشرہ کی کسی ذمہ داری کو قبول کرے اسے چاہئے کہ اپنے کام کو پوری توجہ سے انجام دے۔ اور جس کے لئے کام کر رہا ہے اس کا خیر خواہ رہے، خاص طور پر اگر وہ کام دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو تو اسے پوری امانتداری سے انجام دے اور خیانت سے پرہیز کرے ۔کیونکہ دراصل پروردگارِ عالم ان سب کے امور کا اور خود اس کے معاملات کا ولی و نگراں ہے۔ اور قیامت کے دن اس سے سخت بازپرس کرنے والا ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ لوگوں کا مال بے جا خرچ نہ کرے اور ایسا کوئی اقدام نہ کرے جس میں ان کے لئے خیر خواہی و ہمدردی نہ ہو۔ اور اپنے عہدہ و مقام سے سوءِ استفادہ کرتے ہوئے ایسا کوئی گروہ یا پارٹی نہ بنائے جو ناجائز منافع اور مشکوک اموال کو ایک دوسرے میں تقسیم کرنے کے لئے ایک دوسرے کی برائیوں کو چھپاتے رہیں اور دوسروں کو ایسے مناصب سے ہٹا دیں جس کی وہ لیاقت و اہلیت رکھتے ہوں یا ایسے حقوق سے محروم کر دیں جس کے وہ مستحق ہوں۔ لہٰذا صاحب منصب و مقام کا ہر کام اور اقدام تمام لوگوں کے لئے یکساں طور پر ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے منصب کو ذاتی حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ بنالے۔ مثلا رشتے داروں کے حقوق کو ادا کرنے یا کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے اپنے عہدہ کا غلط استعمال کرے۔کیونکہ عمومی حقوق کے ذریعہ شخصی حقوق کا ادا کرنا ظلم

اور فساد کے زمرہ میں آتا ہے۔ اور اگر آپ کے سامنے ایسے حالات آجائیں کہ کسی کو ترجیحی بنیاد پر منتخب کرنا ہی پڑے تو ایسے شخص کو ترجیح دیں جو کمزور و بے سہارا ہو اور جو نہ خود کوئی اثر و نفوذ رکھتا ہو نہ ہی کوئی صاحبِ منصب و مقام اس کی پشت پناہی کے لئے موجود ہو اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اللہ کے سوا اس کے پاس اور کوئی سہارا نہ ہو۔

اور آپ میں سے کوئی بھی شخص اپنے کسی نامناسب عمل کا جواز پیش کرنے کے لئے دین و مذہب کا ہرگز سہارا نہ لے۔ کیونکہ سچا دین اور مذہب سچے اصولوں پر قائم و استوار ہے جس کے اہم اجزا میں عدل و احسان اور امانتداری وغیرہ شامل ہے۔

سورہ حدید آیت ۲۵ میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے کہ

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ

لَنْ تُقَدَّسَ أُمَّةٌ لا يُؤْخَذُ لِلضَّعِيفِ فِيهَا حَقُّهُ مِنَ الْقَوِيِّ غَيْرَ مُتَعْتِعٍ

وہ قوم کبھی قابلِ تعریف نہیں ہو سکتی جس میں کمزور وناتواں افراد کا حق طاقتور لوگوں سے بغیر کسی مشکل وتردد کے حاصل نہ کیا جاسکے۔

اب جو ان اصولوں سے ہٹ کر اپنا عمل کسی اور بنیاد پر رکھے تو اس نے گویا اپنے نفس کو حقیر وپر فریب تمناؤں اور جھوٹی امیدوں کے جال میں پھنسا دیا۔

رہبرانِ عدل جیسے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امامِ علی علیہ السلام، امامِ حسن علیہ السلام اور امامِ حسین علیہ السلام سے سب سے نزدیک وہ افراد ہیں جو ان ذواتِ مقدسہ کے اقوال واحکام پر عمل پیرا ہوں اور ان سب کی سیرتِ طیبہ کی پیروی کرنے میں دوسروں پر سبقت لے جائیں۔

وہ لوگ جو دوسروں کے امور کی ذمہ داری لے کر کسی عہدہ پر فائز ہو جائیں انہیں چاہیئے کہ وہ امامِ علی علیہ السلام کے اس خط کا مطالعہ ضرور کریں جو آپ نے مالکِ اشتر کے نام اس وقت لکھا تھا جب وہ آپ کی طرف سے مصر کے گورنر بنا کر بھیجے

جارہے تھے، اس لئے کہ اس خط میں عدل وانصاف اورامانتداری کے بنیادی اصولوں کی بڑی جامع تعریف وتوصیف کی گئی ہے جو حکام اور دیگر تمام افراد کے لئے ان کے حسبِ حال انتہائی مفید وکارآمد ہے۔
اور جس کے عہدہ اور مسؤلیت کی وسعت جتنی زیادہ ہے اس کے لئے اس خط کے مضامین پر توجہ دینا اتنا ہی لازم وضروری ہے۔

۸۔زندگی کے تمام احوال ومراحل میں علم وحکمت ومعرفت میں اضافہ کی کوشش

انسان کو چاہیئے کہ جذبۂ تحصیلِ علم سے سرشار ہو اور زندگی کے ہر مرحلے میں اور ہر حالت وکیفیت میں حکمت ومعرفت میں اضافہ کے لئے کوشاں رہے۔ چنانچہ اپنے افعال وکردار اوران کے اثرات پر غور کرے اور اردگرد پیش آنے والے حالات اور ان کے نتائج وآثار پر توجہ دے ،تاکہ روزبروز اس کی معرفت، علم، تجربہ اور کمالات میں اضافہ ہوتارہے۔ کیونکہ یہ زندگی ایک ایسا مدرسہ ہے جس کے متعدد پہلو اور مختلف ابعاد ہیں اور جس میں بڑی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی درسگاہ ہے جس میں انسان علم ومعرفت اور مہارت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، چنانچہ ہر فعل اور حادثہ میں انسان کے لئے رہنمائی اور عبرت کے پہلو پوشیدہ ہیں، اور ہر واقعہ میں ایسے فکر انگیز پیغام اور قابلِ توجہ نکات پائے جاتے ہیں جس میں غور وفکر کرنے والے پر یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ ان تمام واقعات کا سرچشمہ دراصل سنتِ الٰہی ہے۔ جن

میں سے ہر واقعہ میں اسی مناسبت سے وعظ و نصیحت کے دروس ملتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنی زندگی میں کبھی بھی علم و دانش اور معرفت و مہارت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اور وہ جتنا با بصیرت ہو گا اتنا ہی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رہے گا۔

ارشادِ پروردگارِ عالم ہے

وَمَن يُؤْتَ الحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً

﴿البقرۃ / 269﴾

یعنی جسے حکمت عطا کی جائے گویا اسے خیرِ کثیر عطا کر دیا گیا۔

نیز اپنے حبیبؐ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿طه / 144﴾

یعنی کہو کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر دے

علم و معرفت اور حکمت و بصیرت میں اضافہ اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کے لئے انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں ان تین کتابوں سے دل لگائے رہے اور ان کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیشہ غور و فکر سے کام لیتا رہے۔

۱۔ ان میں سب سے بہتر و برتر اللہ کی کتاب " **قرآنِ مجید** " ہے جو مخلوق کے لئے خالق کائنات کا آخری پیغام ہے۔ یہ پیغام اس نے عقل کے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کرنے اور حکمت و معرفت کے چشمے جاری کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے دلوں کی قساوت و سختی نرمی میں بدل جائے۔ اس کتاب میں اللہ نے ماضی کے حالات و واقعات کو نمونہ کے طور پر سب کی عبرت کے لئے پیش کیا ہے۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کے وہ اس کی تلاوت کبھی ترک نہ کرے اور تلاوت کے وقت اپنے نفس کو یہ احساس دلائے کہ گویا پروردگارِ عالم اس سے براہ راست مخاطب ہے اور یہ اس خطاب کو خود سن رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا پیغام ہے جو اس نے کتاب کی صورت میں تمام عالمین کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔

۲۔ دوسری کتاب " **نہج البلاغہ** " ہے جو عمومی طور پر قرآن کے مضامین و ارشادات کی نہایت فصیح و بلیغ تشریح ہے۔ یہ کتاب انسان میں غور و فکر کرنے اور موعظہ و حکمت حاصل کرنے کا جذبہ جگاتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے کبھی غافل نہ ہو اور جب کبھی فرصت ملے اسے پڑھنے کی کوشش ضرور کرے۔ اور

پڑھتے وقت خود کو یہ احساس و تصور دلائے کہ گویا وہ ان لوگوں کے درمیان موجود ہے جن کے سامنے مولا امیر لمومنین علیہ السلام خطبہ ارشاد فرمارہے ہیں جو دراصل ہر مؤمن کی دلی آرزو ہے۔ خاص طور پر وہ خط ضرور پڑھے جو آپ نے اپنے فرزندِ گرامی امامِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو لکھا تھا جو دراصل ہمارے ہی لئے لکھا گیا تھا۔

۳۔ تیسری کتاب "**صحیفہ سجادیہ** "ہے جس میں قرآنِ مجید کے مضامین اور مطالب و مفاہیم کو نہایت فصیح و بلیغ انداز سے دعاؤں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کے اپنے نظریات اور اہداف کیا ہوں اور وہ کس طرح اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے خود کو اپنی ہی تنقید کا نشانہ بنائے اور کس طرح اپنے نفس کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنے وجود کے اسرار کا انکشاف کرے۔ بالخصوص اس کتاب کی دعاء مکارم الاخلاق کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔

یہ آٹھ نصیحتیں، جو تذکّر و یاد دہانی کے سوا کچھ نہیں، دراصل پائیدار زندگی کے اصول و ارکان ہیں۔ کیونکہ انسان کو نصیحتوں میں حق کا نور، حقیقت کی ضیا، فطرت کی صفا، عقل کے شواہد اور زندگی کے تجربات صاف نظر آسکتے ہیں۔ یہ وہی باتیں ہیں جن کی تنبیہ و تاکید پیغامِ الٰہی میں اور اربابِ بصیرت کی نصیحتوں میں کی گئی ہے۔ لٰہذا ہر انسان کے لئے مناسب ہے کہ ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو یا کم از کم عمل کرنے کی کوشش کرے۔ بالخصوص نوجوان جو اپنی زندگی کے

ایسے مرحلے میں جی رہے ہیں جو ان کی جسمانی اور ذہنی طاقت و قوت کا نقطۂ عروج ہے ۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جو انسان کی پوری زندگی کا بنیادی سرمایہ ہے۔ لہٰذا اگر اس کا تھوڑا حصہ یا ایک بڑا حصہ ضائع ہو بھی گیا ہو تو مایوس نہ ہوں اور باقی ماندہ وقت کو غنیمت جانیں کیونکہ قلیل کا حصول کثیر کے ضائع کرنے سے اور تھوڑا سا حاصل کر لینا سارے کا سارا گنوا دینے سے بہتر ہے۔

پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ * وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ*

﴿الزلزال 7-8﴾

یعنی جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ آپ حضرات کو ہر اس بات کی توفیق کرامت فرمائے جو آپ کے لئے دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی کا باعث ہو۔ یقیناً وہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی مدظلہ
کی مختصر سوانح حیات

ولادت اور خاندان

آپ ماہ ربیع الاول میں ۱۳۴۹ ہجری میں مشہد مقدس ایران میں پیدا ہوئے۔
آپ کے والد ماجد عالم با عمل جناب مولانا سیّد محمّد باقرؒ اور جدّ امجد معروف عالم دین جناب مولانا سیّد علی سیستانیؒ تھے۔ان دونوں بزرگوں کا شمار نجف اشرف ، مشھد مقدّس اور قم مقدّسہ کے نامور اور ممتاز علماء میں ہوتا تھا۔
آپ کا تعلق حسینی سادات سے ہے یعنی آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملتا ہے۔

آپ کی شخصیت

جن حضرات کو آپ کے ساتھ وقت گذارنے اور اٹھنے بیٹھنے کا وقت ملا ہے وہ یہ مانتے ہیں کہ آپ نوجوانی کے زمانہ ہی سے بڑے کم سخن تھے، ہمیشہ غور و فکر کی

کیفیت میں رہتے، بہت ہی نرم مزاج، قناعت پسند اور انتہائی صابر و بردبار تھے ۔ اخلاق حسنہ میں آپ کی مکمل انکساری و فروتنی قابل ذکر ہے۔ زہد و تقویٰ تو آپ کے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے غرض زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی معاملے میں دکھاوا آپ کو بالکل پسند نہیں ۔ آفس میں کام کرنے والوں پر اور تمام وکلاء و معتمدین پر اپنی مرجعیت کی ترویج کے سلسلہ میں ایک درہم بھی صرف کرنا حرام قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح عمومی جگہوں پر اپنی تصویر لگانے یا نشر کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ یہی نہیں بلکہ نام و نمود اور القاب و تعریفات سے اتنا دور رہتے ہیں کہ اپنی بعض ویب سائٹس کے صفحات سے اپنے نام کے آگے سے لفظ **آیۃ اللہ** تک ہٹوا دیا۔ آپ اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ کسی تنظیم ، ادارے ، مرکز یا عمارت کو ان کے نام سے موسوم کیا جائے۔ ہاں یہ تاکید ضرور فرماتے ہیں کہ علمی مراکز، دینی درسگاہوں اور مذہبی عمارتوں کو گذشتہ علماء کے نام سے موسوم کیا جائے تاکہ ان کی یادیں تازہ رہیں اور دل و دماغ میں ان کے نام اور کارنامے زندہ و پائندہ رہیں۔

آپ کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو آپ کی پدرانہ شفقت ہے جس کی بنا پر آپ ہر ایک کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور عدل و انصاف کی رعایت کرتے ہوئے سب ہی سے محبت و شفقت فرماتے ہیں اور رنگ و نسل اور زبان و قومیت یا نظریاتی رجحان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں فرماتے۔ آپ بلا تفریق پوری قوم کے

لئے ایک شفیق و ہمدرد باپ اور سرپرست کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ بلا امتیاز ہر فرد کو اخلاق وانصاف سے گلے لگاتے ہیں۔

تعلیمی سفر اور علمی کارنامے

- پانچ سال کی عمر ہی سے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اسی عمر سے لکھنے پڑھنے کی بھی ابتدا ہوئی پھر گیارہ سال کی عمر سے حوزہ کی تعلیم کا آغاز کیا اور یونہی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ اعلیٰ تعلیم کے مراحل میں داخل ہوئے۔ چنانچہ مشھد مقدّس میں عقائد کے دروس میں آیۃ اللہ میرزا مھدی آشتیانیؒ اور فقہ کے دروس خارج میں آیۃ اللہ میرزا ہاشم قزوینیؒ سے استفادہ فرمایا۔
- ۱۳۶۸ھ کے اواخر میں حوزۂ علمیہ قم منتقل ہوگئے جہاں مرجع بزرگ جناب سید حسین طباطبائیؒ کے دروس فقہ و اصول میں حاضری دینے لگے اور ان کی فقہی معلومات اور علم رجال وحدیث میں ان کے نظریات سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی دوران آپ عظیم المرتبت فقیہ جناب سید محمد حجت کوہ کمریؒ کے دروس میں بھی شامل ہوتے رہے۔

- ۱۳۲۱ھ کے اوائل میں آپ نے حوزہ علمیہ نجف اشرف کی جانب ہجرت کی اور آج تک وہیں قیام فرما ہیں۔ اس دوران آپ نے آیۃ اللہ سید محسن الحکیمؒ اور آیۃ اللہ سید محمود شاھرودیؒ کے دروس میں بھی حاضری دی۔
- اپنے ہم عصر علماء کے درمیان ذہانت، سرعت فہم، کثرت تحقیق، علمی سرگرمیوں میں مشغولیت، اور مختلف علمی و حوزوی افکار و نظریات سے آشنائی میں آپ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ اپنے ساتھیوں اور ہم درس علماء میں وہ بزرگ علماء کی طرف سے مندرجہ ذیل اہم اسناد و شہادات اور سرٹیفیکیٹس کے لئے منتخب کئے گئے۔ یہ ۱۳۸۱ھ کی بات ہے جب آپ ابھی تیس سال ہی کے تھے۔

1. اپنے استاد حضرت آیۃ اللہ السید ابو القاسم الخوئیؒ کی جانب سے اجتہاد مطلق کی ایسی سند حاصل کی جو انہوں نے سوائے آپ کے اور آیۃ اللہ شیخ علی فلسفی کے کبھی کسی اور کو نہیں دی۔
2. اپنے استاد حضرت آیۃ اللہ شیخ حسین حلیؒ سے بھی اجتہاد مطلق کی سند حاصل کی جو انھوں نے آپ کے سوا کسی کو بھی عطا نہیں کی۔
3. ۱۳۸۱ھ سے آپ نے فقہ کے موضوع پر درس خارج دینا شروع کیا اور ۱۳۸۴ھ سے اصول فقہ کے موضوع پر دروس خارج کا یہ سلسلہ

دو سال قبل تک جاری رہا جس کے بعد سیکورٹی کے ناگفتہ بہ حالات کی وجہ روکنا پڑا۔

4. آپ نے کثیر تعداد میں کتابیں، رسالے اور تحقیقی مقالے لکھے جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ ان تصنیفات و تالیفات کی تعداد چالیس سے تجاوز کر چکی ہے جو سب کی سب آپ کے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

آپ کے مکتب فکر کی خصوصیات

1. کسی مسئلہ پر اپنے فقہی نظریہ کے اظہار سے قبل، تنہا ''نص '' کے حدود پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے، اسکی تہہ تک پہنچنا اور اس کے ارد گرد ان تمام حالات و عوامل کا تجزیہ کرنا جن کا اس مسئلہ میں کسی طرح کا عمل دخل ہو سکتا ہے۔ تحقیق کے اس عمل میں اس مسئلہ سے مربوط مذہبی و سیاسی ماحول کا تجزیہ و تحلیل بھی شامل ہے۔

2. حوزوی افکار اور جدید و معاصر ثقافتوں کے درمیان ربط قائم کرنا۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی ایک مسئلہ مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہو اور اپنی حقیقت کے متعدد جوانب کو منعکس کرے جس سے ایک حقیقت واحدہ کی متعدد جہات

سامنے آجائیں۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر یہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہو گی کہ ایک عالم اپنی رائے پیش کرنے سے قبل اس مسئلہ کے تعلق سے تمام مکاتب فکر سے واقف ہو اور اس سے متعلق ہر طرح کے پس منظر کا علم و احاطہ رکھتا ہو جو تشریحات و آرا میں اختلاف کے پس پشت کار فرما ہو سکتی ہیں۔

3. فقہی و اصولی نظریات و مبانی میں جدت پسندی کے اصول پر قائم رہنا۔ یعنی جدید تحقیقات پیش کرنا کیونکہ قدیم مسائل پر محض بحث و مباحثہ کر کے اس پر اپنی رائے دیدینا کافی نہیں۔ اس سلسلہ میں ”قاعدہ احترام“ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے جس کی رو سے دوسروں کے نظریات و قوانین کا احترام لازم ہے۔ آپ نے اس طرح کے سادہ اسلامی اصول کی تجدید فرما کر اسے ایک ”قاعدہ فقہیہ“ کے طور پر پیش کیا جس پر ہر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جو ایک مخلوط و متنوع ادیان و رجحانات پر مشتمل معاشرے میں زندگی بسر کر رہا ہو۔

4. عظیم حوزہ ہائے علمیہ کے معروف ترین فقہاء اور عمائدین کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے ان مدارس فکر کے علمی مناہج کے درمیان تقابلی بحث و تحقیق کے اصول کی پابندی۔ چنانچہ آپ آیۃ اللہ بروجردیؒ کے نظریات پیش کرتے ہوئے نجف اشرف کے نظریاتی اسکول کا حوالہ دیتے ہیں۔ پھر دونوں کا تقابلی مطالعہ اور بحث و تحلیل کرتے ہوئے اپنے تحقیقی نظریہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ دیگر اختلافی مسائل میں بھی، خواہ وہ شیعہ علماء

و محققین کے درمیان ہوں یا دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان، آپ کا یہی خصوصی اسلوبِ تحقیق رہا ہے۔

5. دیگر علوم اور تخصّصات کے بارے میں آپ کی وسیع معلومات۔ مثلاً دور حاضر میں "علم قانون" کی بات آتی ہے تو آپ فرانس و مصر و عراق وغیرہ کے قوانین کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے فقہی قواعد کے تجزیہ و تحلیل اور حوالوں کی توسیع نیز کیفیت نفاذ کی تفہیم میں مدد لیتے ہیں۔

آپ کی مرجعیت

آپ کا شمار عظیم مرجع تقلید آیۃ اللہ خوئیؒ (متوفی ۱۴۱۳ھ) کے نمایاں ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔ اپنے استاد ہی کے زمانے میں آپ نے بحث خارج کی تدریس میں ایک منفرد مقام حاصل کر لیا تھا۔ ویسے بھی استاد محترم کی آپ پر خصوصی نظر عنایت تھی۔ چنانچہ مسجد خضراء میں اپنی نیابت میں نماز پڑھانے کی اہم ذمہ داری انہوں نے آپ ہی سپرد کی تھی۔ آیۃ اللہ خوئیؒ کی وفات کے فوراً بعد قم میں آیۃ اللہ گلپایگانیؒ اور نجف میں آیۃ اللہ سید عبد الاعلیٰ سبزواریؒ کی مرجعیت کا اعلان ہوا، مگر قضا و قدر نے ان دونوں بزرگوں کو زیادہ مہلت نہ دی اور دونوں جلد ہی (۱۴۱۴ھ میں) اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جس کے بعد آیۃ اللہ شیخ محمد اراکیؒ اور آیۃ اللہ سید محمد روحانیؒ کی

مرجعیت سامنے آئی مگر وہ بھی زیادہ دن نہ جئے۔ اور آیۃ اللہ سیستانی کی عظیم علمی شخصیت اور ان کے ورع و تقویٰ اور حکمت و تدبّر کو دیکھتے ہوئے علمی و حوزوی حلقوں میں نگاہیں ان پر مرکوز ہونے لگیں۔ چنانچہ حوزہ علمیہ نجف و قم کے بزرگ علما و مجتہدین اور اساتذہ واہل خبرہ نے عوام کو ان کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ جن میں آیۃ اللہ سید علی بہشتی اور آیۃ اللہ شیخ مرتضیٰ بروجردی جیسی شخصیات قابل ذکر ہیں ۔جس کے نتیجے میں پوری دنیا میں خواہ وہ عراق ہو یا ایران، خلیجی ممالک ہوں یا ہندوستان وپاکستان، ہر جگہ مومنین نے تقلید کے سلسلے میں آپ کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے جہان اسلام میں آپ کی مرجعیت کے چرچے ہوگئے۔ اور مومنین کی اکثریت آپ کی تقلید کرنے لگی۔ آج آپ عالم تشیع کے اعلیٰ ترین مرجع تقلید ہیں۔ پروردگار آپ کا سایہ عاطفت قوم پر قائم رکھے اور اسلام اور مسلمین کو ان کے وجود ذی جود سے مستفیض فرماتا رہے۔

مجاہدانہ مواقف

جب بعثی حکومت نے اپنی گوناگوں سازشوں اور ظالمانہ حرکتوں سے حوزہ علمیہ نجف اشرف کو ختم کرکے اپنے ناپاک منصوبوں پر عمل کرنا شروع کیا تو آپ نے شدید مزاحمت کرتے ہوئے بہترین صبر وثبات کا مظاہرہ کیا۔ بعثی حکومت بڑے پیمانہ پر علماء فضلاء اور طلاب کو، جن میں آیۃ اللہ سیستانی مد ظلہ کے بہت سے شاگرد بھی شامل

تھے، نجف سے نکالنے لگی۔ خود آپ کو کئی بار نکل جانے کے احکام صادر ہوئے اور کئی مرتبہ انہیں تحقیق و تفتیش کے بہانہ گرفتار کیا گیا۔ بعثی درندوں کی طرف سے مسلسل آپ کو سخت ترین اہانت اور زیادتیوں کا نشانہ بنایا گیا مگر آپ کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش نہ آئی اور نتیجے کی پرواہ کئے بغیر آپ نے نجف نہ چھوڑنے کی قسم کھائی اور آخری وقت تک اپنے موقف پر قائم رہے۔

عراق ایران جنگ کے دوران بعثی حکومت کے مظالم کا شکار رہے، جو اپنی حمایت کے لئے سخت دباؤ ڈال رہی تھی مگر آپ کی مزاحمت اور ثبات قدم میں کمی نہ آئی ۔ جب ۱۴۱۱ھ میں انقلابی تحریک اور عوامی بغاوت شروع ہوئی تو حکومت اسے طاقت کے ذریعے کچلنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس موقع پر آیۃ اللہ سیستانی کو دیگر علماء کے ساتھ تحقیق و جواب طلبی کے لئے گرفتار کیا گیا اور رضوانیہ کی بدنام زمانہ جیل میں انہیں سخت ذھنی اور جسمانی ایذائیں دی گئیں۔ کچھ دن کے بعد ہی ان میں سے بعض کو شہید کر دیا گیا، جن میں شہید آیۃ اللہ شیخ مرتضیٰ بروجردیؒ اور شہید آیۃ اللہ میرزا علی غرویؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۴۱۳ھ میں اس وقت کے مرجع اعلیٰ آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی طاب ثراہ کے انتقال کے بعد جب آپ نے مرجعیت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو بعثی حکومت نے آپ پر زور ڈالا کہ مرجعیت کی روایتی راہ و روش کو بدل دیں، اور جب آیۃ اللہ سیستانی اس دباؤ میں نہ آئے، تو آپ کی شخصیت کو جو تمام فقہاء

کے درمیان ایک امتیازی شان کی حامل رہی ہے گرانے اور مومنین کو ان سے جدا کرنے کی ناکام کوششیں شروع کردیں۔ اس سلسلے میں مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ ۱۴۱۴ھ کے اواخر میں مسجد خضراء[1] کو بند کر دینا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ اور جب تمام ظالمانہ کوششیں ناکام ہوگئیں تو حکومت نے آپ کو خفیہ طور پر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس کا انکشاف بعثی حکومت کے گرنے کے بعد اس کی خفیہ تنظیم کے اسناد و وثائق سے ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کئی سال خانہ قید رہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت تک کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے جبکہ آپ چند گز کے فاصلہ پر اپنے جدبزرگوار کے جوار میں سکونت پذیر ہیں۔

بعثی حکومت کے سقوط کے بعد جب عراق ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۳ع) میں حملہ آور فوجوں کے قبضہ میں آگیا تو قابض طاقتوں نے چاہا کہ اپنا بنایا ہوا ایک خاص اور معین قانونِ اساسی عراق اور عراقیوں پر مسلط کردیں۔ اس وقت سب سے پہلا قدم آیۃ اللہ سیستانی نے یہ اٹھایا کہ اقوام متحدہ کی سیکوریٹی کونسل کو ایک فوری خط ارسال فرمایا جس میں اس قانون و دستور کو جسے "موقت حکومت کے قانون" کا

---

1) مسجد خضراء ایک تاریخی مسجد ہے جو حرمِ امیر المومنین علیہ السلام سے متّصل ہے اور اسے ایک علامتی و اعتباری حیثیت حاصل ہے۔ ایک عرصہ تک اس میں صرف بزرگ مراجع نماز پڑھائی ہے اور وہیں اپنے اجتھادی مباحث اور دروس خارج کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔

نام دیا گیا تھا پاس نہ کرنے کا مطالبہ کیا اور بصورت دیگر اس کے نتائج کے بارے میں متنبہ بھی کر دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اقوام متحدہ کو آپ کی بات ماننی پڑی اور آپ کے مشوروں پر عمل کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے اپنا مشہور فتوٰی صادر فرمایا جس کے مطابق آپ نے یہ واجب قرار دیا کہ قانون اساسی عراقیوں کے ذریعہ ہی مرتّب کیا جائے۔ اور اس کے بعد اسے عراقی عوام کے سامنے عمومی ریفرنڈم کے لئے پیش کر دیا جائے تاکہ عوام کو اختیار ہو کہ اسے قبول کریں یا رد کر دیں۔ نیز آپ نے اپنے فتوے میں یہ بھی لازم قرار دیا کہ دستور اساسی میں کوئی ایسی شق نہ ہو جو عراقی عوام کے مذہبی اقدار سے متصادم ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر اسی قانون کی بنیاد پر نئے عراق کے نظام حکومت کا قیام عمل میں آیا جو دراصل حضرت آیۃ اللہ العظمی سید سیستانی مدظلہ کے اصول و ہدایات اور کاوشوں کا بہترین ثمرہ ہے۔

آپ کے اس جرائتمندانہ موقف سے نہ صرف عراق سامراجی تسلط سے محفوظ رہا بلکہ پورا خطہ ایک بہت بڑی سازش اور منصوبے کی زد سے بچ گیا جس کی شروعات دراصل عراق ہی سے ہونے والی تھی۔

- ۱۹ جمادی الثانی سن ۱۴۲۵ھ کے دن آیۃ اللہ سیستانی کو دل کے آپریشن کے لئے لندن جانا پڑا۔ نجف اشرف میں آپ کی اس عارضی عدم موجودگی سے بعض داخلی اور خارجی طاقتوں کو حوصلہ ملا اور مذہبی قیادت کے اس خلا سے اور بطور عمومی تمام حالات پر مرتّب ہونے والے اس کے نفسیاتی اثرات سے سوء استفادہ کی انھیں ہمت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ پورا ملک تشدد کی لپیٹ میں آگیا اور ہر طرف بے چینی اور بدامنی پھیلنے لگی، حالات بگڑنے لگے اور ایک گروہ نے جسکی حکومت سے جنگ چھڑ گئی تھی حرم امیر المومنین علیہ السلام میں مورچے سنبھال لئے، یہاں تک کہ نجف سخت گولہ باری کا نشانہ بن کر تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ حرم امیر المومنین علیہ السلام خاص طور پر اس جنگ میں حملوں کا نشانہ بنا اور اس کی بقا و حرمت کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ ان حالات میں جیسے ہی لندن میں ڈاکٹروں نے اجازت دی آیت اللہ سیستانی اسپتال سے نکل کر سیدھے ایرپورٹ پہنچے اور بغیر کسی تاخیر کے پہلی فلائٹ سے عراق کے لئے روانہ ہوگئے۔ کویت کے راستے جب آپ بصرے پہنچے تو وہاں سے نجف کیلئے روانہ ہوگئے۔ آپ کی آواز پر لاکھوں لوگ ایک بے نظیر اور عظیم الشان جلوس کی شکل میں آپ کے ساتھ نجف اشرف کی طرف چل پڑے۔ راستے میں بے شمار خطرات تھے اور سب کو معلوم تھا کہ کسی وقت بھی کوئی بڑا حادثہ رونما ہو سکتا ہے جسکی مختلف گروہوں نے پہلے ہی دھمکیاں دے رکھی تھیں مگر اس کے باوجود ایسا لگ

رہا تھا جیسے پورا عراق جان پر کھیل کر اپنے محبوب قائد کے ساتھ نجف کی طرف رواں دواں ہے۔ آپ نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ وہ نجف اشرف کو اس تباہ کن صورتحال سے بچانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اور واقعاً ایسا ہی ہوا۔ آپ لاکھوں افراد کی قیادت کرتے ہوئے ۹ رجب المرجب کو نجف اشرف میں داخل ہوئے اور اس جمع کثیر و جم غفیر نے حرم مقدس کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور اس کے گرد حفاظت کیلئے ایک انسانی قلعہ بنالیا ۔جس کے نتیجے میں وہ گروہ جو حکومت سے بر سر پیکار تھا ہتھیار ڈال کر نکل گیا اور حکومت کو بھی جنگ بندی کا اعلان کرنا پڑا۔ اس طرح نجف اشرف میں امن و سکون واپس آگیا اور آیت اللہ سیستانی نے پورے ملک کو ایک بڑے حادثہ اور خطرناک سانحہ سے بچالیا جس کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہو چکا تھا اور جس سے اسلام اور تشیع کی عزت و ہیبت داؤ پر لگ چکی تھی۔

- سن ۲۰۰۵ اور سن ۲۰۰۶ کے دو سال، بعثی حکومت کے سقوط کے بعد، عراق پر خارجی طاقتوں کے قبضہ کی وجہ سے بڑے سخت گذرے ہیں۔ پورے ملک میں غیر معمولی فرقہ وارانہ گھٹن ماحول تھا جس کے اسباب مذہبی سے زیادہ سیاسی تھے اور جس کے نتیجہ میں قتل و غارتگری کا خطرناک اور شرمناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ مذہبی شناخت کی بنا پر بے گناہوں کا قتل اور مقدسات کی بے حرمتی ایک عام سی بات ہو گئی۔

رہبران ضلالت اور بعض جماعتوں کے رہنما اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس فرقہ وارانہ فتنہ کی قیادت کر رہے تھے۔ دوسری طرف فتنہ گر طاقتیں اس آگ کو ہوا دینے کیلئے بے دریغ مال، اسلحہ اور پروپیگنڈہ کا استعمال کر رہی تھیں۔ ۲۳ محرّم سن ۱۴۲۷ھ کو تو غضب ہی ہو گیا۔ دہشت گردوں نے سامرّہ میں امام حسن عسکری اور امام علی نقی سلام اللہ علیہما کے روضے پر حملہ کر دیا اور اس کے طلائی گنبد کو دھماکہ سے اڑا دیا۔ یہ اتنا بڑا حادثہ تھا کہ گویا پورا عراق ایک تباہ کن دھماکہ کی زد پر آ چکا تھا۔ اتنا خون خرابہ ہونے والا تھا کہ دجلہ و فرات کی ندیاں انسانی خون سے سرخ ہو جاتیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اس بھیانک تباہی سے عراق اور عراقیوں کو نہیں بچا سکتی تھی۔ ایسے نازک ترین موقع پر آیۃ اللہ سیستانی نے اپنی خداداد صلاحیت، حکیمانہ قیادت اور علم و بصیرت کا بہترین مظاہرہ کیا اور اس بے مہار فتنہ کو لگام لگانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور خاص طور پر قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے خلاف ان تمام دردناک اور افسوسناک حوادث و جرائم کو دیکھ اور سن رہے تھے، مگر پھر بھی ان کی جانب سے کوئی لفظ صادر نہ ہوا، سوائے ان ہدایات کے جو مسلسل یکے بعد دیگرے بیانات اور فتاویٰ کی شکل میں آ رہے تھے۔ جن میں کسی بھی انسان پر ظلم و تعدی کو حرام قرار دیا گیا تھا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، شیعہ ہو یا سنّی۔ برادرانِ اہلِ سنّت کی مدارات میں تو انہوں نے یہاں تک کہدیا کہ

انہیں اپنا بھائی نہیں نفس کہو۔ انہوں نے اپنے بے باک بیانات اور جرأت مندانہ فتووں میں مسجدوں پر کسی تعدی و تجاوز کو حرام قرار دیا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔ اور جن علاقوں میں کچھ پرجوش نوجوانوں نے کسی گروہ کی مسجد پر قبضہ کر لیا تھا، چاہے وہ ان کے اپنے ہی علاقے میں کیوں نہ رہی ہو اور تاریخی اعتبار سے خود ان کی اپنی ہی کیوں نہ ہو، اسے واپس کرنے پر مجبور کیا۔ اور اس طرح آپ خطرناک فرقہ وارانہ نعروں کو دبانے اور عراق اور ملت عراق کو امن و امان فراہم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ حالانکہ اس فتنہ کو جگائے رکھنے کی ساری کوششیں ہر طرف سے ابھی تک جاری و ساری ہیں۔

- آخر میں اس تاریخی فتوی کا ذکر کئے بغیر بات تمام نہیں ہو سکتی جس میں آپ نے ۱۱ شعبان ۱۴۳۵ھ میں دہشت گرد تنظیم داعش کے خلاف جہاد کفائی کا حکم صادر فرمایا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب داعش کے دہشت گرد اچانک عراقی سرحدوں کو پار کر کے ملک میں داخل ہو چکے تھے اور موصل پر قبضہ کرتے ہوئے اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ بغداد چند کلومیٹر کی دوری پر رہ گیا تھا۔ یہ سب کچھ عراقی فوجی دستوں کی شکست اور اس علاقے کی فوجی قیادت کی طرف سے بڑے پیمانے پر خیانت کے نتیجے میں ہوا۔ آیۃ اللہ سیستانی کے فتوے پر لاکھوں مومنین لبّیک کہتے ہوئے عراقی فوجی قیادت کے تحت "رضاکار دستوں" کی شکل میں عراقی فوج میں شامل ہوگئے۔ آیت

اللہ سیستانی نے سختی سے تاکید فرمائی تھی کہ رضاکار سپاہیوں کے دستے پوری طرح عراقی فوج اور سرکاری نظام کا حصہ ہوں گے اور اس سے ہٹ کر ان کی کوئی مستقل حیثیت نہ ہوگی۔ آیۃ اللہ سیستانی کی طرف جاری ہونے والے جہاد کفائی کے اس فتوے نے پھر سے ایک تاریخ رقم کی۔ اور سو سال کے بعد اس فتوی کی یاد تازہ کرادی جو اس وقت برطانیہ کی قابض فوجوں کے خلاف علماء کی طرف سے صادر ہوا تھا اور جسے آج "ثورۃ العشرین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی نے اپنے اس تاریخی فتوے سے صرف عراق ہی نہیں کو بلکہ پورے خطہ کو اس دور کے خوارج، آئمہ ضلال، دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے تسلط سے بچالیا۔

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ مومنین کو اور ان کے ممالک کو دشمنوں کے شر سے اور اس دور کے اوباش غنڈوں سے جو تکفیری وہابیوں کی صورت میں اور قاعدہ وطالبان اور داعش والنصرہ کی شکل میں یا کسی اور نام سے فتنہ وفساد برپا کئے ہوئے ہیں محفوظ ومامون فرمائے۔ اور ہمارے آقا و مولا حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل فرمائے تاکہ وہ تشریف لاکر اس زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہے۔

- آیۃ اللہ سیستانی وہ پہلے مرجع تقلید ہیں جن کے کارناموں کا اقوام متحدہ نے کھل کر اعتراف کیا اور دہشت گردی کے خلاف آپ کے اقدامات کی تعریف کی۔ نیز اس بات کو بھی سراہا کہ آپ نے جنگ زدہ افراد کی مدد اور سرپرستی فرمائی اور بلا تفریقِ مذہب و ملت ان سب کو پناہ دی جو دہشت گرد تنظیم داعش کے وحشیانہ حملوں کے بعد نجف اشرف اور کربلائے معلّٰی میں پناہ گزیں ہوتے رہے۔ اور جن میں عیسائی، سنّی اور دیگر اقلیتیں شامل تھیں۔ اس بات کا ذکر اقوام متحدہ کی جنوری سن ۲۰۱۴ء کی رپورٹ میں بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے[2]۔
- یہی نہیں بلکہ آپ وہ پہلے مرجع تقلید ہیں جن سے اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری نے نجف اشرف آکر آپ کے گھر پر ملاقات کی اور دہشت گردی اور شدت پسندی کے خلاف آپ کی کاوشوں اور اقدامات کی تعریف کی اور قدردانی کا اظہار کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

۲۴ جولائی سن ۲۰۱۴ء میں اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری (بان کی مون) نے آپ کی رہائش گاہ پر آپ سے ملاقات کرتے ہوئے ایک گھنٹہ آپ کی خدمت میں گذارا اور عراق کو تقسیم ہونے سے بچانے اور ملک میں امن و آشتی کا ماحول قائم رکھنے میں آپ کے کردار کو سراہتے ہوئے اپنے بیان میں کہا کہ ”آیۃ اللہ

2) http://www.un.org/apps/news/story.asp?NewsID=46909&Cr=Iraq&Cr1=#.VwigrEfko1p

پوری دنیا میں حکمت و دانشمندی، شفقت و رواداری اور اپنے ماننے والوں کی موئثر رہنمائی کیلئے مشہور ہیں۔ یقیناًوہ ان صفات حسنہ سے متصف ہیں۔ اور میرے لئے ان سے ملاقات باعث شرف ہے۔"

بان کی مون نے مزید کہا کہ "میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اقوام متحدہ عراق کے حالات کی کشمکش میں عوام کی ضیافت و حفاظت اور رہنمائی کے لئے آپ کی تمام تر کاوشوں کا اعتراف کرتی ہے۔" بان کی مون اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں نے اس بات پر ان کی قدردانی اور تشکر کا اظہار کیا کہ آپ نے ہر طرح کی فرقہ وارانہ بیان بازی سے پرہیز کا حکم صادر فرمایا ہے" وہ مزید کہتے ہیں کہ "آخر میں، ان کی زیارت و ملاقات پر میں اپنی سعادت و مسرّت کا ایک بار پھر اظہار کرتا ہوں اور اہالیانِ نجف اشرف اور عراق کے لئے اپنی اور اقوام متحدہ کی تائید وحمایت کا اعلان کرتا ہوں۔ ایک ایسے عراق کے لئے جو پرامن، صلح پسند اور خوشحال ہو"[3]۔

3) http://www.un.org/sg/offthecuff/index.asp?nid=3496

کسی بھی معاشرے کی فلاح و بہبود اور کامیابی و ترقی میں نوجوانوں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے کیونکہ وہ کامیابی کے لئے زبردست حوصلہ، ولولہ اور جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں جو انہیں بغیر کسی علمی تجربہ اور مناسب رہنمائی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

قارئین محترم! یہ کتابچہ ایک ایسی عظیم الشان شخصیت کی مخلصانہ اور حکیمانہ نصیحتوں کا مجموعہ ہے جو اپنی عمر کی اسّی بہاریں دیکھ چکا ہے، جس کی زندگی گوناگوں تجربات، روحانی الہامات، اور دینی توجہات سے بھرپور رہی ہے، جس کا شمار عصر حاضر کے عظیم ترین مذہبی رہنماؤں میں ہوتا ہے اور جس نے اپنی پوری زندگی ایک باعمل عالم اور مجاہد رہنما کی حیثیت سے انسانیت اور دین خدا کی خدمت کے لئے وقف کرر کھی ہے۔

یہ الفاظ صفحہ قرطاس پر جڑے ہوئے نصیحتوں کے وہ سچے موتی ہیں جو نوجوانوں کے لئے سنگ میل اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے تمام مذہبی و ثقافتی حلقے بلکہ عمومی طور پر تمام انسان فیض یاب ہوسکتے ہیں۔

I.M.A.M.

ISBN 9780998254432

90000 >

9 780998 254432